مبلغ قانون میں حسن کردار کی اہمیت

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن نقوی صاحب قبلہ

ہمارے مشاہدات میں تقریباً روز ایسے واقعات ظہور میں آتے رہتے ہیں کہ ایک شخص ایسا ہے جس کے اقوال پر لوگ عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے شخص کے الفاظ نا قابل اعتناء تصور کئے جاتے ہیں عوام الناس اگر کسی بات کو کسی سے کہیں تو وہ اس قابل نہیں تصور کی جاتی کہ اس پر عمل کیا جائے لیکن وہی بات اگر کسی عظیم شخصیت کی زبان سے نکل گئی تو مستحق عمل سمجھی جاتی ہے آخر یہ تفرقہ کیوں ہے؟ کیا ایک ہی جیسے گوشت و پوست کے انسان الگ روحیں رکھتے ہیں؟ جب ہر طرح روحانیت وجسمانیت میں سب ایک ہیں تو پھر یہ اختلاف کیسے؟ تو بات یہ ہے کہ الفاظ باعتبار ذات بالکل ہی مردہ بے روح پیکر ہیں جن کو خود انسان ہی نے تخلیق کیا ہے یہی الفاظ تمام خواص وعوام کے زبان زد ہیں لیکن انھیں الفاظ میں روح اس وقت آتی ہے جب زبان کے حسن الفاظ ہی کے ساتھ عملی اعتبار سے حسن کردار بھی ہو جب وہی بے جان الفاظ اس زبان سے نکلتے ہیں جس کا خود عمل بھی ہے، تو اب اقوال میں وزن ہوتا ہے اور الفاظ پر اثر ہو جاتے ہیں اور جب وہی الفاظ بے عمل کی زبان سے نکلتے ہیں تو زندہ ذہنیتیں مردہ الفاظ کے پیکر کو پھینک دیتی ہیں۔ جس کے بعد الفاظ بے اثر ثابت ہوتے ہیں اسی وجہ سے اگر کسی قانون کے محافظ کا عمل داغ دار اور دامن گرد آلود ہے تو وہ مفاد قانون کو پورا نہیں کر سکے گا، کیونکہ مفاد قانون اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اس قانون پر لوگ عمل کریں اور لوگ اس ذمہ دار قانون کے اقوال کو بصورت عمل پیش نہیں کر سکتے کیوں کہ اس کے اقوال لوگوں کے لئے بے اثر آوازیں ہیں لہٰذا مفاد قانون پورا نہ ہو سکے گا۔

ایسا قانون کا محافظ جو عملی اعتبار سے کورا ہے، وہ قانون کی صحیح اہمیت اور اصولوں کی صحیح قدر و قیمت دنیا کو نہیں سمجھا سکتا۔ یہ ہر شخص کے حدود تصور سے قریب تر ہے کہ اگر کسی چیز کو ہم خود سمجھے ہوئے نہیں ہیں تو دوسرے کو پورے طور سے سمجھا بھی نہیں سکتے۔ بے عمل محافظ قانون خود پوری طرح قانون کو سمجھا نہیں تو دوسرے کے لئے وہ بہترین مبلغ ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر یہ خود قانون کی صحیح قدر و قیمت کو سمجھ چکا ہوتا تو اس پر عمل کرتا۔ اگر ہم کسی مرض کے لئے کسی دوا کو مفید سمجھ لیتے ہیں تو پھر اس کو استعمال کرتے ہیں۔ جب ہم کسی جماعت سے مطمئن ہو جاتے ہیں تو اسی کو اپنے میں ضم کرتے ہیں اسی طرح اگر یہ محافظ قانون کو امراض اجتماعی کا مجرب نسخہ تصور کرتا ہوتا تو خود کیوں نہ عمل کرتا؟ معلوم ہوا کہ بظاہر جو محافظ قانون ہے، وہ خود پوری طرح قانون کے حسن و کمال کو ہر ہر پہلو سے اچھی طرح نہیں سمجھا ہے اس کے لاشعور میں کوئی اس قانون کے مخالف بھی تصور ہے۔ جو بے راہ روی کا محرک بن رہا ہے اور پھر اس قانون پر اسی تحت الشعوری تصور کو یہ ترجیح بھی دیتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ مخالفت عملاً کیوں کر رہا ہے؟ معلوم ہوا کہ اس قانون کے مخالف محرک کو یہ ترجیح دیتا ہے تو جب یہ محافظ قانون، خود قانون کو نہیں سمجھا ہے تو دوسروں کو کیا سمجھا سکتا ہے؟ اور جب تک دوسرے افراد کے سامنے پوری طرح قانون کو واضح کر کے نہ بیان کیا جائے اور مکمل طور پر قانون کی اہمیت کو نہ سمجھا جائے اس وقت تک تبلیغ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ایک کامیاب مبلغ وہی ہو سکتا ہے جو پوری طرح قانون کے ہر ہر شعبۂ کمال پر عامل بھی ہو، ہر ہر زاویہ سے

قانون کے حسن وخوبی کو سمجھ بھی چکا ہو۔ جب بے داغ کردار کا مالک اپنے قانون کو دنیا کے سامنے پیش کرے گا تو اس کی لفظیں کھوکھلی دیواریں نہ ہوں گی بلکہ گراں قدر حقیقتیں اور قلوب میں اعتراف حسن قانون کے مستحکم قلعے ہوں گے۔ اگر غور کیا جائے تو ہماری ظاہری نگاہیں آئندہ کی زندگی کا مطالعہ نہیں کرسکتی ہیں زیادہ تر افراد ایسے ہوتے ہیں جن کو براہ راست قانون کے حسن وخوبی، اس کی اہمیت وضرورت کا پورا احساس نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود ایسے افراد کسی قانون کو تو تسلیم نہیں کرتے، اور کسی قانون کو تسلیم کر لیتے ہیں؟ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ اگر مہلک قانون کسی ایسے شخص نے پیش کیا جو اپنی سابقہ زندگی میں انتہائی پاک وصاف زندگی کا مالک تھا تو عوام اپنے گذشتہ خوشگوار تجربہ کی بنا پر تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر کسی ایسے فرد نے کسی نظام کی طرف دعوت دی جس کی سابقہ زندگی مشکوک ونا قابل اطمینان گذری ہے چاہے وہ قانون کیسا ہی عمدہ، جامع، ہمہ گیر، اور مفید کیوں نہ ہو، لیکن مسترد کر دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ عوام کی ذہنیتوں پر جوعکس موجود ہے، وہ براہ راست قانون پر اثر انداز ہوتا ہے، اور لوگ مفید قانون سے محروم ہوجاتے ہیں اس میں عوام بے چارے مجبور بھی ہیں، کیوں کہ قانون کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب قانون کی طرف دعوت دی جارہی ہو اس وقت ہم کو معلوم نہیں کہ آئندہ یہ داعی قانون اور مبلغ نظام کس ذمہ داری سے اپنے فرائض کو انجام دے گا یہ تجربہ تو اسی وقت ہوگا جب ہم نظام کو تسلیم کر کے اس کو اپنے امور کا منظم سمجھ لیں (یا نفاذ قانون میں کوتاہی کرے گا) لہٰذا سوائے اس کے کوئی صورت آئندہ تصور کریں ماضی کے خوشگوار تصورات کے ہاتھوں میں مستقبل کی تقدیر دے دیں یہی وجہ ہے کہ جب کوئی نظام اپنا کسی کو نمائندہ بنا کر عوام کے رجحانات کو اپنی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے اور اپنے موافق آرائے عامہ کے حصول کا خواہاں ہوتا ہے تو ہمیشہ کسی ایسے کو اپنا نمائندہ مقرر کرتا ہے جو پہلے سے عوام میں مقبول ہو اور عوام کا فرض اولین یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے ہر نمائندہ کی سابقہ زندگی کا جائزہ لیں، ماضی کا مطالعہ کریں سابقہ تعلقات پر نظر ڈالیں جس کے سابقہ کردار قابل اطمینان پائیں فوراً اس کے ہم خیال ہوجائیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر نظام کے محافظ ومبلغ کو جس طرح اس زمانے میں کہ جب وہ محافظ قانون ہے انتہائی محتاط وذمہ دار ہونا چاہئے اسی طرح سابقہ زندگی میں بھی بیداغ اور پاک وصاف، قابل اطمینان ہونا چاہئے۔

✿✿✿

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسلامی تمدن

بہرحال یا تو تمہارے دینی بھائی ہوں گے اور یا تمہاری ہی طرح اللہ کے مخلوق ہوں گے۔ خدا ان سب کے حقوق کے بارے میں تم سے باز پرس کرے گا''۔

پھر اسی مکتوب میں اس سوال کا جواب دیا ہے جو آج ہر ملک کی با اقتدار طاقت کی طرف سے اس ملک کی اقلیت کے سامنے پیش ہوتا ہے کہ ہم کیونکر یقین کریں کہ تم وفادار رہوگے۔ آپ فرماتے ہیں:

''لَيْكُنْ حُسْنَ ثِقَتِكَ بِهِمْ بِمِقْدَارِ حُسْنِ صَنِيعِكَ مَعَهُمْ''۔

''تمہارا اعتماد اپنی رعایا کی وفاداری پر اتنا ہونا چاہئے جتنا تمہارا سلوک ان سے اچھا ہو۔''

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ ان سے پوچھنے کی بات نہیں ہے کہ تم وفادار رہوگے یا نہیں۔ بلکہ یہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی چیز ہے کہ آپ کا سلوک ان کے ساتھ کیسا ہے۔

جو تمدّن افرادِ خلق کے اندر اس فرض شناسی، حدود شناسی اور حقوق شناسی کے ساتھ قائم ہو وہ تمدن اسلامی ہوگا۔ ورنہ نام چاہے جو کچھ رکھ لیجئے اور کاغذ پر اس کے دستور میں کتنی ہی خوشنما باتیں لکھ دیجئے اس معاشرہ اور تمدّن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ ✿✿✿